عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!!

ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

شعبان ۱۴۲۳ھ / اکتوبر ۲۰۰۲ء

ناشر: ادارہ اشرفیہ عزیزیہ پشاور

فہرست

فی شمارہ: ۱۵ روپے۔

سالانہ بدل اشتراک: ۱۴۰ روپے + ڈاک خرچ

ابتدائیہ

انتخابات کی گہما گہمی شروع ہے۔ایک مسلمان کے ذمے اسلامی حکومت کا قیام اور شریعت کا نفاذ اہم فرائض میں سے ایک فریضہ ہے۔اگر چہ موجادہ طریقۂ انتخاب عین اسلامی نہیں ہے لیکن جب یہ ہی ذریعۂ قیام حکومت ہوگیا اور اس کے خلاف صحیح طریقہ اپنے تمام وسائل کو جھونک کر اور جانیں قربان کر کے بھی وجود میں نہیں لایا جاسکتا تو پھر اسی طریقہ سے کچھ نہ کچھ حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ ووٹ دینا واجب ہے اور صیح آدمی کو دینا بھی واجب ہے (از حضرت مفتی شفیع صاحبؒ)۔ووٹ کا معاوضہ بصورت مال لینا اور دینا دونوں حرام ہیں،اور ایسے ہی ہے جیسے کہ خنزیر کا گوشت کھانا۔مال کے علاوہ کسی اور لالچ میں بھی ووٹ دینا حرام ہے۔اس کے علاوہ وہ لوگ جو شراب کے رسیا ہوں،نماز کے تارک ہوں ،مساجد کا منہ تک نہ دیکھتے ہوں وہ مسلمانوں کے کس طرح نمائندہ بن سکتے ہیں!۔ایسے لوگ جنھوں نے ماضی میں ملک کو لوٹا،اور قوم کا پیسہ کفار کے بینکوں میں منتقل کیا،اور ملک کے عوام کو تکالیف کی چکی میں پستا ہوا چھوڑ دیا وہ کیسے قابل اعتماد ہو سکتے ہیں!۔

بندہ کے ایک واقف کار نے حضرت مولانا ظاہر شاہ صاحب سے ووٹ دینے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے پوچھنے والے سے سوال کیا کہ جب تم اپنی بیٹی یا بہن کا رشتہ دیتے ہو تو کیسے دیتے ہو؟ آدمی نے جواب دیا کہ خوب دیکھ بھال کر اس بات کی تسلی کرتے ہیں کہ آدمی دیندار ہو،اور ہر لحاظ سے قابل اعتبار ہوتا کہ بعد میں بچی کے لیے سکھ اور سہولت ہو اور وہ مصیبتوں کی بھٹی میں نہ دھکیلی جائے ۔مولانا ظاہر شاہ صاحب نے فرمایا کہ ایسے ہی ووٹ بھی دینا ہے۔لہٰذا ووٹ دینے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر سمجھ کر اور جہنم کی ہولناکیوں اور جنت کی رعنائیوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیجئے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔آمین۔

☆☆☆☆☆

مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ

اساسِ پاکستان

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے، جس کی بنیاد اسلام کے اس جامع اور عالمگیر نظریہ پر رکھی گئی ہے کہ دین انسان کی تمام دنیاوی واخروی ضرورتوں کا کفیل اور مسائل کا واحد حل ہے۔ بانیانِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح، لیاقت علی خان، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مسلم لیگ کے دیگر زعماء قیام پاکستان کی جدو جہد کو اسی نظریہ کی بنیاد پر آگے لے کر بڑھے تھے، اور اسی نظریہ کی بنیاد پر اسلامیانِ ہندو پاک نے اپنی امنگیں اور امیدیں اس خطہء زمین کے ساتھ وابستہ کر دی تھیں جس کا نام پاکستان تھا اور جس میں بقول شہید ملت لیاقت علی خان کے اسی اسلامی نظریۂ حیات کو عملی طور پر رائج کرنا اور اسے اسلام کی تجربہ گاہ بنانا تھا۔ قائداعظم نے اس بات کو اپنی بہت سی تقاریر میں واضح طور پر بیان کر دیا تھا کہ قرآن ہی مسلمانوں کا واحد ضابطۂ حیات ہے جس میں مسلمانوں کے قانونی، مجلسی، معاشی اور معاشرتی غرضیکہ ہر پہلو اور ہر مسئلہ کا حل موجود ہے۔ ان زعماء ملت کا یہ کہنا حقیقتاً اس سچائی پر مبنی تھا کہ امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری قوموں اور ملتوں کی طرح وطنی، لونی اور نسلی بنیادوں پر تشکیل نہیں پاتی بلکہ یہ لاثانی اور بے مثال امت اپنی تشکیل میں اس جذبۂ اندرونی کی مرہون منت ہے جس کو ایمان کہتے ہیں۔ امت محمدیہ کا مزاج اور قوام سراسر دین پر قائم ہے۔ اگر اس کے دینی مزاج کی رعایت نہیں کی جائے گی تو یہ ملت من حیث الامت ختم ہو جائے گی۔ دوسری قومیں جن اساسی بنیادوں پر تشکیل پاتی ہیں وہ رنگ ونسل اور وطن ہیں، لیکن اسلام ان میں سے کسی بنیاد کو اصلی قرار نہیں دیتا، وہ ان سب کو بت قرار دے کر ان کی تخریب پر اپنے ملی جذبہ کی تشکیل کرتا ہے۔ اسلام کا رشتہ وہ رشتہ

ہے جو مختلف قوموں، رنگوں اور نسلوں کے افراد کو ایک کڑی میں پرو دیتا ہے۔ایک فرانسیسی مفکر موسیو لیبان نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ" قومیت وہ اشتراک ہے جو مختلف افراد کو ایک کڑی میں پرو کر مقاصد حیات کی نئی روح ان میں پھونک دیتا ہے۔" اسلام اسی روحانی جذبہ کی پرورش کرتا ہے جو مختلف نسلوں اور قوموں کو ایک رشتہ میں پرو دیتا ہے۔
بقول جامیؒ

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
که در این راه فلان ابن فلاں چیزے نیست

یعنی اے جامی! عشق (اسلام) کا بندہ بن جا اور اپنے نسب پر فخر نہ کر، کیونکہ اس راہ (اسلام) میں فلاں ابن فلاں کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

اسلامی ملّی جذبہ کے ایک سرشار حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اسی حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے

ابی الاسلامُ و لا ابًا سواہ اذافتخرو بقیسٍ و تمیمی

یعنی کہ میرا باپ اسلام ہے اور اسلام کے سوا میرا کوئی باپ نہیں۔جبکہ لوگ قیس اور تمیم کے قبیلہ میں ہونے پر فخر کرتے ہیں تو میں اپنے مسلمان ہونے پر فخر کرتا ہوں۔

گویا اسلام ملت مسلمہ کا اجتماعی نفس ناطقہ ہے۔اگر اسلام اپنی حقیقت کے ساتھ ملت کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہوگا تو یہ امت پھلتی اور پھولتی رہے گی اور جس وقت یہ جذبہ کم ہوجائے گا تو اس پر اضمحلال کے آثار طاری ہوجائیں گے۔
اقبال کہتا ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمیؐ

بہر حال اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد پاکستان کی تعمیر نو میں اسلام کی اہمیت ظاہر و باہر ہو جاتی ہے۔ ہر وہ طریقۂ کار اور نظامِ عمل جو اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق نہ ہوگا، پاکستانی ملّت کو کامیابی سے ہمکنار نہ کر سکے گا۔ اس کی دو موٹی وجوہ ہیں، اوّلاً پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے اور کوئی نظریاتی مملکت اپنے نظریہ کو نظر انداز کر کے اپنے وجود کو برقرار نہیں رکھ سکتی۔ جس طرح کوئی سوشلسٹ مملکت سوشل ازم کو پس پشت ڈال کر اپنی نظریاتی حقیقت کو کھو دیتی ہے اسی طرح مملکتِ پاکستان اگر اسلامی نظریۂ حیات کے ساتھ اپنے آپ کو ہم آہنگ نہیں کرتی تو وہ اپنے اس نظریاتی وجود کو کھو دیتی ہے جس کے ساتھ اس کا اپنا وجود بھی قائم ہے۔ کوئی اور مملکت اگر کسی نظریہ کو قبول یا ترک کر دے تو اس کی وطنی، لونی اور نسلی انفرادیت اس کو باقی رکھ سکتی ہے، لیکن پاکستان اگر اسلامی نظریۂ حیات سے دست کش ہو جائے تو اس کا نام اور وجود تک حرف غلط کی طرح مٹ جائے گا۔ دوسری وجہ اس امت کا عمومی مزاج ہے۔ ہر قوم کا ایک مزاج ہوتا ہے، جیسے انفرادی مزاج سے قطع نظر کر کے کسی شخصیت کی تعمیر نہیں ہو سکتی اسی طور پر قومی مزاج سے قطع نظر کر کے کوئی قوم تعمیر کے رخ پر نہیں چل سکتی۔ ان دو حقیقتوں کو بیان کر دینے کے بعد چند موٹی موٹی حقیقتیں ہم پیش کرنا چاہتے ہیں۔

اسلام نرا نظریہ ہی نہیں بلکہ بقول قائد اعظم کے ایک practical code of life ہے۔ دوسرے مذاہب عملی زندگی میں آ کر شکست کھا سکتے ہیں، لیکن اسلام کا آئین اور قانون ۱۴۰۰ سال سے اس کسوٹی پر کامیابی سے کسا جا چکا ہے۔ اس میں ہر زمانہ کے چیلنج کا کامیابی سے مقابلہ کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ پاکستان کو سب سے بڑی ضرورت اس کے مختلف لسانی اور علاقائی طبقات کو جوڑنے کی ہے۔ یہ جوڑ اسلام کے سوا کسی دوسری چیز سے قائم نہیں رہ سکتا۔ طبقاتی ناہمواریوں کا حل جس عدل وانصاف کے

ساتھ اسلام نے پیش کیا ہے، انسانی خود ساختہ معاشی نظام اس کا پر کاہ بھی پیش نہیں کرسکتا اسلام ایک طرف انفرادی عملِ پیدائش کی حوصلہ افزائی کرتا ہے تو دوسری طرف ذرائع پیداوار کی تقسیم اس رخ سے کرتا ہے کہ اگر اسلام کا معاشی نظام وجود میں آجائے تو مختلف طبقات بغیر طبقاتی منافرت کے ایک ایسا ہموار معاشرہ تشکیل میں لا سکتے ہیں جس میں غریب و امیر، حاکم و محکوم خوشحال اور برابری کی زندگی گذار رہے ہوں۔ اسلام میں گو مساواتِ مالی نہیں لیکن مساواتِ مرتبی اور مساواتِ قانونی قائم ہے۔ اسلام میں قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔ مجلسی رتبے میں مال اور جائیداد کی اضافی قدروں کو نہیں دیکھا جاتا، بلکہ اخلاق اور اعمال انسان کی بلندی کا واحد میعار ہیں۔ معیار فضیلت اور بلندی صرف تقویٰ، علم، اعمال اور اخلاق پر ہے، نہ کہ ملک و مال اور جاہ و جائیداد پر۔

امت کی ترقی کے لیے اسلامی مزاج پر رہنا سب سے اوّلین شرط ہے، اور یہ شرط اسی وقت پوری کی جاسکتی ہے جب افرادِ امت عمومی طور پر اسلامی تعلیم و تربیت سے مزیّن ہوں۔ اس بناء پر تعلیمِ نو میں پہلے قدم پر پورے تعلیمی اور تربیتی ڈھانچے کو اسلامی سانچے میں ڈھالنا ہوگا۔ دوسری چیز حکومت کے سربراہوں اور اہل کاروں کا اپنے مزاج کو اسلامی نظریہ کے مطابق محض خدمت خلق اور حدود کی ادائیگی کا بنانا ہوگا۔

(۱۲ فروری ۱۹۷۲ء)

☆☆☆☆☆

یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو دنیا اس لیے عطا فرمائی ہے کہ اس کے ذریعے سے آخرت طلب کرو، اس لیے نہیں دی کہ اس میں منہمک ہوکر آخرت کو بھول جاؤ۔

(حضرت عثمان غنیؓ)

فیضِ سرہندیؒ

(حضرت مجدد الف ثانیؒ)

۱) دنیا کمینی کی مذمت اور دنیا داروں کی صحبت سے بچنے میں شیخ بہاؤ الدّین سرہندی کی طرف یہ خط لکھا:

میرے سعادت مند فرزند! اس دنیائے مبغوضہ پر خوش نہ ہوں۔ اور حق تعالیٰ کی جنابِ پاک میں دوام توجہ کے سرمایہ کو ہاتھ سے نہ دیں۔

سوچنا چاہئے کہ کیا بیچتے ہیں اور کیا خریدتے ہیں۔ آخرت کو دنیا کے بدلے بیچنا اور حق تعالیٰ کو چھوڑ کر مخلوق میں مشغول ہونا بیوقوفی و کم عقلی ہے۔ دنیا اور آخرت کا جمع ہونا دو ضدوں کا جمع ہونا ہے (جو ناممکن ہے)۔ ان دونوں ضدوں میں سے جس کو چاہیں اختیار کریں اور جس کے عوض چاہیں اپنے آپ کو بیچ دیں۔ آخرت کا عذاب ہمیشہ کے لیے ہے اور دنیا کا اسباب بہت تھوڑا ہے۔ دنیا حق تعالیٰ کی مبغوضہ ہے اور آخرت حق تعالیٰ کو پسند ہے۔ عش ماشئت فانک میت و الزم ماشئت فانک مفارقہ (جی لے جس قدر تو چاہتا ہے ایک دن ضرور مرے گا۔ اور لازم پکڑ جس کو تو چاہتا ہے ایک دن تو اس سے ضرور جدا ہونے والا ہے۔)

آخر ایک دن زن و فرزند کو چھوڑنا پڑے گا اور ان کی تدبیر حق تعالیٰ کے سپرد کرنی پڑے گی۔ اس لیے آج ہی اپنے آپ کو مردہ سمجھنا چاہئے اور اُن کی ضروریات اللہ تعالیٰ کے سپر کرنی چاہئیں۔

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ

ترجمہ: تمہاری بعض بیویاں اور اولاد دشمن ہیں تمہارے، سو ان سے بچتے رہو

نص قاطع ہے، آپ نے بھی کئی دفعہ سنا ہوگا۔ یہ خواب خرگوش کب تک رہے گی، آخر آنکھ کھولنا چاہیئے۔

اہل دنیا کی صحبت اوران سے ملنا جلنا زہر قاتل ہے۔اس زہر سے مرا ہوا ہمیشہ کی موت میں گرفتار ہے۔عقلمند کو ایک اشارہ ہی کافی ہے،تو مبالغے اور تاکید کے ساتھ تصریح کیونکر کافی نہ ہوگی۔ بادشاہوں کے چرب لقمے دل کے امراض کو بڑھا دیتے ہیں،تو پھر فلاح اور نجات کی کیسے امید ہے۔الحذر الحذر۔

من آنچه شرط بلاغ است باتو میگویم

تو از خواه سخنے پند گیر و خواه ملال

ترجمہ: میں تجھ سے جو کہنے کا حق ہے کہتا ہوں۔تجھ کو ان باتوں سے نصیحت حاصل ہو یا ناراضگی ہو۔

ان کی صحبت سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہیں۔ کیونکہ شیر تو دنیاوی موت کا سبب ہے اور وہ (اچانک موت) کبھی آخرت میں فائدہ دے جاتی ہے۔ بادشاہوں (دنیاداروں) سے ملنا جلنا ہمیشہ کی ہلاکت اور دائمی خسارے کا باعث بنتا ہے۔ پس ان کی صحبت، محبت اوران کی ملاقات سے بچنا چاہیئے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس نے کسی دولت مند کی تواضع اس کی دولت مندی کے باعث کی تو اس کے دین کا دوتہائی چلا گیا۔تو سوچنا چاہیئے کہ یہ سب تواضع اور چاپلوسی ان کی دولت مندی کے باعث ہے یا کسی اور وجہ سے۔ کچھ شک نہیں کہ ان کی دولت مندی کے باعث ہے اوراس کا نتیجہ دین کے دو حصوں کا ضائع ہو جانا ہے،تو اسلام کہاں کا اور نجات کہاں کی۔ یہ سب مبالغہ اور اصرار اس لیے کیا گیا کہ چرب لقمے اور ناجنس کی صحبت نے دل کو پند و نصیحت کے قبول کرنے سے حجاب میں ڈال دیا ہوگا،اور کسی

کلمہ اور کلام کی تاثیر نہ ہونے دے گی۔ پس ان کی صحبت اور ملاقات سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل جس کی تعریف مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی سے کی گئی ہے ہم کو اور آپ کو ان باتوں سے نجات دے جن سے وہ راضی نہیں ہے۔ والسّلام

۲) عزلت اور گوشہ نشینی کے بیان میں بنام شیخ عبدالھادی:

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ و دعوات کے بعد واضح ہو کہ میرے سعادت مند بھائی کا مکتوبِ مرغوب پہنچا۔ بہت خوشی حاصل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ مفارقت اور جدائی کے زمانہ دراز نے محبت واخلاص اور مؤدت واختصاص میں تبدیلی نہیں کی۔ باوجود اس کے اگر آپ تشریف لے آتے تو بہت ہی مناسب ہوتا۔ والخیر فیما صنع اللہ تعالیٰ۔ اور بہتر وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کرے۔

آپ نے گوشہ نشینی کی خواہش ظاہر کی تھی۔ ہاں بے شک گوشہ نشینی صدیقین کی آرزو ہے، آپ کو مبارک ہو۔ آپ عزلت و گوشہ نشینی اختیار کریں لیکن مسلمانوں کے حقوق ہاتھ سے نہ دیں۔

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں سلام کا جواب دینا، بیمار پرسی کرنا، جنازہ کے پیچھے چلنا، دعوت کا قبول کرنا اور چھینک کا جواب دینا۔ لیکن دعوت کے قبول کرنے میں چند شرائط ہیں۔

احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اگر طعام مشتبہ ہو یا دعوت کا مکان اور اس کا فرش حلال نہ ہو۔ یا وہاں ریشمی فرش اور چاندی کے برتن ہوں، یا چھت یا دیواروں پر حیوانوں کی تصویریں ہوں، یا باجے یا سماع کی کوئی چیز موجود ہو، یا کسی قسم کی لہو ولعب یا کھیل کود کا شغل ہو، یا غیبت اور جھوٹ اور بہتان کی مجلس ہو تو ان سب صورتوں میں دعوت کا قبول کرنا منع ہے، بلکہ یہ سب امور اس کی حرمت اور کراہت کا موجب ہیں۔ ایسے ہی اگر دعوت کرنے والا ظالم یا فاسق یا بدعتی یا شریر یا تکلّف کرنے والا یا فخر ومباہات کا طالب ہے تو اس صورت میں بھی یہی حکم ہے۔

اور ''شرعۃ الاسلام'' میں ہے کہ ایسے طعام کی دعوت قبول نہ کریں جو نام ونمود کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ اور ''محیط'' میں ہے کہ جس جگہ لہو ولہب یا گانے بجانے کا سامان ہو یا لوگوں کی غیبت کرتے ہوں یا شراب پیتے ہوں تو وہاں نہیں بیٹھنا چاہئے۔

اگر یہ سب موانع نہ ہوں تو دعوت کے قبول کرنے سے چارہ نہیں۔ اور نیز جان لیں کہ

عزلت از اغیار باید نه ز یار

ترجمہ: عزلت غیر سے بہتر ہے دوست سے نہیں۔

کیونکہ ہمرازوں کے ساتھ صحبت رکھنا اس طریقہء علیہ (تصوف) کی سنت مؤکدہ ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریق صحبت ہے۔ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت ہے۔ اور صحبت سے مراد موافقان طریقت کی صحبت ہے نہ کہ مخالفان طریقت کی۔

مریض کی عیادت اگر کوئی اس کا تیماردار ہو تو سنت ہے۔ اور اگر کوئی اس کا خبر گیر نہ ہو تو واجب ہے جیسا کہ حاشیہء مشکوٰۃ میں ہے۔ اور نماز جنازہ میں شامل ہونے کے

لیے کم از کم چند قدم جنازہ کے پیچھے چلنا چاہئے تا کہ میت کا حق ادا ہو جائے۔اور جمعہ اور جماعت نماز پنجگانہ اور نماز عیدین میں حاضر ہونا ضروریاتِ اسلام سے ہے ان سے چارہ نہیں۔باقی اوقات کو تبتل وانقطاع (سب سے کٹ کر اللہ کی طرف متوجہ ہونا) میں صرف کریں۔لیکن چاہئے کہ اول نیت کو درست کریں اور گوشہ نشینی کو دنیا کی کسی غرض سے آلودہ نہ کریں۔عزلت سے مقصود حق تعالیٰ کا یکسوئی کے ساتھ ذکر اور بے فائدہ دنیاوی مشاغل سے بچنا ہو اور نیت کے درست کرنے میں بڑی احتیاط کریں ایسا نہ ہو کہ کوئی نفسانی غرض شامل ہو جائے۔اور نیت کی درستگی کے لیے دعا والتجا بہت کریں۔اور استخارہ کرنے کے بعد عزلت اختیار کریں۔امید ہے کہ اس سے بڑے بڑے فائدے حاصل ہوں گے۔ باقی احوال ملاقات پر بیان ہوں گے۔والسلام۔

(از: مکتوباتِ امام ربانیؒ)

☆☆☆☆☆

اقوال زریں

صوفیاء کرام کا قول ہے کہ جو لوگ وساوس اور گھٹیا خیالات وخواطر میں مبتلا رہتے ہیں انھیں ذکر جہری کرنا چاہئے کیونکہ اس میں ان چیزوں کے ازالے کی بڑی قوی تاثیر ہے۔

غفلت کی عادت چھوڑ دو۔کیونکہ اگر تم نے غفلت کو اپنا شعار بنایا تو (من جانب اللہ) تم سے غفلت نہیں برتی جائے گی۔(یعنی تمھیں تمھارے حال پر نہیں چھوڑا جائے گا بلکہ سختی سے بازپرس ہوگی)۔ (حضرت عثمان غنیؓ)

اسلام میں اس شخص کا کوئی حصّہ نہیں جو نماز نہیں پڑھتا۔(حضرت عمر فاروقؓ)

تلقینِ غزالیؒ:

طلبِ علم کا فریضہ

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة''

ترجمہ: علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔

اس معاملہ میں اہل علم کی رائے مختلف ہے کہ وہ کونسا علم ہے جس کی طلب فرض ہے۔ متکلمین کی رائے ہے کہ اس سے مراد وہ علم ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو۔ فقہاء کہتے ہیں کہ علم فقہ مراد ہے، کیونکہ اس کی بدولت آدمی حلال وحرام میں تمیز کرسکتا ہے۔ محدث کہتے ہیں کہ علم تفسیر وحدیث مراد ہے کہ علوم دینیہ کی اصل یہی ہیں، اور صوفیاء کہتے ہیں کہ احوال دل کا علم کیونکہ دل اللہ کی طرف بندہ کی راہ ہے۔ غرضیکہ ہر عالم اپنے علم کی عظمت بیان کرتا ہے۔ ہمارے نزدیک اصل بات یہ ہے کہ نہ تو کسی ایک علم کی خصوصیت ہے اور نہ ہی تمام علوم فرض ہیں۔ جو تفصیل ہم پیش کررہے ہیں اس سے تمام اشکال رفع ہوجاتے ہیں۔

تفصیل یہ ہے کہ جو کافر صبح مسلمان ہو یا جو لڑکا بالغ ہو، اس پر تمام علوم سیکھنے فرض نہیں، بلکہ محض اتنا فرض ہے کہ کلمہ طیبہ کے معانی جانے اور اہل سنت کے عقائد سیکھے۔ ان عقائد کے دلائل جاننا ضروری نہیں لیکن ان عقائد کو قبول کرنا ضروری ہے، یعنی اللہ، رسول، آخرت، جنت ودوزخ اور حشر ونشر پر یقین کرنا، اللہ نے ہی انبیاء کو بھیجا اور ان کے ذریعے اپنے پیغامات واحکام نازل فرمائے، اور جو اطاعت کرے گا سعادت حاصل کرے گا اور جو معصیت میں مبتلا ہوگا عذاب پائے گا، اتنا جاننا تو لازم ہے۔ جب یہ جان

لیا تو دو طرح کے علوم اس پر لازم ہو گئے ایک کا تعلق دل سے ہے اور ایک کا تعلق اعضاء و جوارح سے! جو علم اعضاء و جوارح سے تعلق رکھتا ہے اس کی پھر دو قسمیں ہیں ایک ان کاموں کا علم جو کرنے کے قابل ہیں اور ایک وہ کام جو نہ کرنے کے قابل ہیں۔ جو کام کرنے چاہئیں ان کا علم ایسا ہے جیسے کوئی صبح کے وقت مسلمان ہوا تو جب ظہر کی نماز کا وقت آئے گا تو اس پر فرض کی حد تک نماز اور طہارت کا سیکھنا ضروری ہے، اور جو چیز سنت ہے اس کا سیکھنا سنت ہے فرض نہیں۔ جیسے مغرب کی نماز کا وقت آئے تو اتنا جاننا لازم ہوگا کہ اس نماز کی تین رکعتیں فرض ہیں، اس سے زیادہ علم فرض نہیں۔ اور جب رمضان آئے تو روزہ کی فرضیت کا جاننا اور یہ معلوم کرنا کہ اس میں نیت اور صبح سے شام تک کھانا، پینا اور جماع حرام ہیں ضروری ہے۔ اسی طرح ساڑھے سات تولے سونا ہو اور سال بھی گذر جائے تو یہ جاننا کہ اس کی کتنی زکوٰۃ ہے ضروری ہوگا۔

اسی طرح جب کوئی کام کرتا ہے تو اس کا علم بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ مثلاً نکاح کے وقت یہ جاننا لازم ہے کہ خاوند پر بیوی کا کیا حق ہے، اور حالت حیض میں جماع کرنا درست نہیں، اور حیض کے بعد غسل کرنے تک جماع نہ کرنا چاہئے، اور اس کے سوا جو چیزیں نکاح سے متعلق ہیں ان سب کا علم لازم ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص پیشہ و ہنر کے ذریعے روزی کماتا ہے تو اس پر فرض ہے کہ اپنے پیشے کے مسائل معلوم کرے۔ تاجر ہے تو سُود اور بیع کی شرطیں معلوم کرے تاکہ باطل کاروبار سے بچ سکے۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دکانداروں کو درّے مار کر علم سیکھنے کے واسطے بھیجتے اور فرماتے کہ جو کوئی تجارت کے احکام نہیں جانتا اسے تجارت نہیں کرنا چاہئے تاکہ لاعلمی میں وہ سود نہ کھاتا پھرے اور اسے خبر تک نہ ہو۔ اسی طرح ہر پیشہ کا علم ہے حتیٰ کہ اگر کوئی حکیم (ڈاکٹر) ہے تو اسے چاہئے کہ یہ معلوم کرے کہ بدن سے کیا چیز کاٹنی (آپریشن) اور تراشنی چاہئے اور

تکلیف کے وقت کونسا دانت اکھاڑنا چاہئے اور کونسی دوا کس بیماری کے لیے ہے وغیرہ۔ یہ علوم ہر شخص کے حال کے مطابق ہوتے ہیں، بزاز کے لیے حجامت کا علم سیکھنا ضروری نہیں اور حجام کے لیے بزاز کا علم فرض نہیں۔ جو کام کرنے لائق تھے یہ تو ان کی مثالیں تھیں۔

جو کام کرنے کے قابل نہیں ان کا علم بھی فرض ہے۔ لیکن ہر شخص کے حالات مختلف ہوتے ہیں، اگر کوئی شخص اطلس و دیبا استعمال کرنے کی طاقت رکھتا ہے یا شراب نوشوں اور سور کھانے والوں کے پاس رہتا ہے یا غصب کی جگہ میں مقیم ہے یا اس کے قبضہ میں حرام مال ہے تو علماء پر لازم ہے کہ اسے ان باتوں کا علم سکھائیں کہ یہ حرام ہیں تاکہ وہ ان سے بچ سکے، اور اگر کوئی شخص عورتوں سے مل جل کر رہتا ہے تو محرم و غیر محرم کا جاننا ضروری ہے اور یہ کہ کس کو دیکھنا درست ہے اور کس کو نہیں اور یہ علم ہر ایک کی حالت اور ضرورت کے مطابق ہے۔ اس واسطے کہ جو کوئی ایک کام میں مشغول ہو اس پر اوروں کے کام کا علم سیکھنا فرض نہیں۔ مثلاً حالت حیض میں طلاق کے مسائل کا جاننا عورت پر نہیں بلکہ مرد پر فرض ہے۔

اور جو کام دل سے تعلق رکھتے ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک دل کے حالات سے متعلق ہے اور ایک کا تعلق اعتقادات سے ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ یہ جاننا فرض ہے کہ کینہ، حسد، تکبر، بُرا گمان وغیرہ حرام ہیں اور ان کا جاننا سب پر فرض ہے کیونکہ ان عادات سے کوئی خالی نہیں۔ نہ صرف یہ کہ ان کا علم ضروری ہے بلکہ ان کے علاج کا علم بھی ضروری ہے کیونکہ اس قسم کی بیماریاں عالمگیر قسم کی ہیں اور علم کے بغیر ان کا علاج صحیح طریقے سے نہ ہو سکے گا۔ البتہ بیع سلم، اجارہ اور رہن وغیرہ جیسے معاملات کا علم جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے ان کا جاننا فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے! ان کا جاننا اسی پر فرض ہوگا جو ایسے کام کرتا ہو۔ دوسری قسم جو اعتقادات سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ اگر خدا

نخواستہ کسی کے عقیدہ میں کچھ شک پیدا ہو جائے تو ایسے شک کو دور کرنا ضروری اور فرض ہے۔ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ طلبِ علم سب مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ کوئی مسلمان جنس علم سے مستغنی اور بے پرواہ نہیں۔لیکن علم ایک ہی قسم کا نہیں اور ہر ایک کے حق میں برابر نہیں بلکہ حالات اور وقت کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔کوئی شخص علم کی ضرورت سے خالی نہیں اسی لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جس پر علم کا طلب کرنا فرض نہ ہو۔یعنی جس شخص کو جس علم کی احتیاج ہے اس پر اس کا سیکھنا فرض ہے۔

جب یہ معلوم ہو چکا کہ ہر شخص پر وہ علم سیکھنا ضروری ہے جس کا وہ معاملہ کرتا ہو، تو معلوم ہوا کہ عوام ہر وقت اس خطرہ میں رہتے ہیں کہ انھیں کوئی کام پڑے اور وہ یہ سمجھ کر کہ یہ شرعاً درست ہے وہ کام نادانی سے کر گذریں۔اگر وہ کام ایسا ہے جس کی اکثر حاجت ہوتی ہے اور وہ کام نادر بھی نہیں تو عوام کی نادانی کا عذر نہ سنا جائے گا،مثلاً حالت حیض یا حیض کے بعد غسل سے پہلے کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرے اور یہ کہے کہ مجھے تو معلوم نہ تھا کہ ایسا کرنا درست نہیں تو اس کا یہ عذر لغو ہوگا۔یا کوئی عورت صُبح کے وقت پاک ہو اور مغرب وعشاء کی نماز قضا نہ کرے اور کہے یہ مسئلہ اسے معلوم ہی نہیں،یا کوئی مرد اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے اور اسے اس مسئلہ کا علم نہ ہو کہ ایسی حالت میں طلاق دینا سنگین جرم وگناہ ہے تو اس کی لاعلمی کا عذر قبول نہ ہوگا۔قیامت کے دن اس سے کہا جائے گا کہ ہم نے تجھے کہہ دیا تھا کہ طلبِ علم فرض ہے تو تو نے علم کیوں نہ سیکھا کہ گناہ اور جرائم سے بچتا۔ہاں البتہ جو کام کبھی کبھار پیش آتے ہوں ان کے معاملے میں لاعلمی سے خلاف شرع ہو جائے تو آدمی معذور ہوگا۔فائدہ:اس کا حل معلوم ہو جانے پر توبہ کرنا اور جو ہوا ہے اس کا ازالہ کرنا ہے۔

شہادتِ عبداللہ بن زبیرؓ

والد کا اسم گرامی حضرت زبیر بن عوامؓ والدہ حضرت اسماءؓ، نانا حضرت ابوبکر صدیقؓ، خالہ حضرت عائشہؓ، پھوپھی حضرت خدیجہؓ، دادی حضرت صفیہؓ۔

مدینہ منورہ میں تولد ہوئے۔ سات آٹھ برس کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی عزت حاصل کی۔ ۲۱ سال کی عمر میں یرموک میں شامل جہاد ہوئے۔ فتح طرابلس ۲۶ھ آپ کے حسن تدبیر کا نتیجہ تھی۔ جنگ صفین میں غیر جانبدار رہے۔ حضرت حسنؓ جب امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوگئے تو آپ نے بھی رفع شر کے لیے ان کی بیعت کرلی۔ مگر جب انھوں نے یزید کو ولی عہد بنایا تو آپ نے شدید مخالفت کی۔

امیر معاویہؓ کے انتقال کے بعد جب امام حسینؓ شہید ہو چکے تو ابن زبیرؓ نے تہامہ اور مدینہ کے لوگوں سے بیعت لی اور یزید کے عاملوں کو وہاں سے نکلوا دیا۔ یزید نے مسلم بن عقبہ کو بڑی فوج دے کر ان کے مقابلے پر بھیجا۔ مسلم نے پہلے مدینہ فتح کیا پھر اس کے جانشین حصین بن نمیر نے جبل بوقبیس پر چرخیاں لگا کر خانہ کعبہ پر آتش باری کی اور مکہ معظّمہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس اثنا میں یزید کا انتقال ہوگیا اور اس کے بیٹے معاویہ نے خود ہی خلافت سے علیحدگی اختیار کرلی۔ اب ابن زبیر قدرتی طور پر تمام ممالک اسلام کے خلیفہ تھے۔ لیکن کچھ ایسے واقعات ہوگئے کہ یہ امید بر نہ آئی۔

آخر جب عبدالملک خلیفہ بن گیا تو اس نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے آخری فیصلہ کرنے کی ٹھانی۔ ایک روز اس نے ایک گرم جوش تقریر کی اور مجمع سے بولا

عبدالملک: تم میں کون ہے جو ابن زبیر کے قتل کا بیڑا اٹھائے۔

حجاج بن یوسف: یہ کام میں کروں گا۔

عبدلملک: کوئی ایسا مرد میدان ہے جو ابن زبیر کو ختم کردے؟

حجاج: میں یہ کروں گا۔

عبدالملک: کون ہے جو ابن زبیر کا سر قلم کر لائے۔

حجاج: میں ہوں۔

یہ کام حجاج کے سپرد کر دیا گیا اور وہ ۷۲ھ میں ایک فوجِ گراں کے ساتھ مکہ معظّمہ پر حملہ آور ہوا۔ حضرت ابن زبیرؓ حرم کعبہ میں پناہ گزین تھے۔ حجاج نے حرم کو چاروں طرف سے گھیرا اور آتش زنی اور سنگ باری شروع کر دی۔ گولے حرم کعبہ میں گر کر اس طرح پھٹتے تھے جیسے دو پہاڑ ٹکر کھاتے ہیں۔ حضرت ابن زبیرؓ بڑے سکون سے آگ اور پتھروں کا مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ کئی ماہ گذر گئے۔ جب نماز کا وقت آتا تو آپ صحن کعبہ میں قبلہ رو کھڑے ہو جاتے، آپ کے چاروں طرف پتھر برستے رہتے مگر آپ ان کی کوئی پرواہ نہ کرتے۔ یہاں تک کہ رسد بالکل ختم ہوگئی اور فوج سواری کے گھوڑوں کو ذبح کر کے کھانے لگی۔ مکہ معظّمہ کے اندر قحط نے اس قدر شدت اختیار کی کہ حضرت ابن زبیرؓ کے ساتھی بھوک سے تنگ آکر بھاگنے لگے۔ حضرت ابن زبیرؓ کے دو صاحبزادے حمزہ اور حبیب بھی ان سے الگ ہو کر حجاج سے جا ملے۔ تیسرے بیٹے نے بہادرانہ مقابلہ کیا اور میدان جنگ میں شہید ہو گیا۔

اب ابن زبیرؓ اپنی والدہ اسماء بنت ابوبکرؓ کی خدمت میں مشورہ کے لیے آئے۔

اس وقت حضرت اسماءؓ کی عمر ۱۰۰ سال سے زیادہ تھی۔ بیٹے نے کہا،

اماں! میرے تمام ساتھی اور میرے بیٹے میرا ساتھ چھوڑ چکے ہیں صرف چند ساتھی باقی ہیں لیکن وہ حملے کا جواب نہیں دے سکتے۔ دوسری طرف دشمن ہمارے مطالبات

تسلیم نہیں کر رہا۔ان حالات میں آپ کا کیا مشورہ ہے؟

حضرت اسماء: بیٹا اگر تم حق پر ہو تو جاؤ اور اس حق کے لیے جان دے دو جس پر تمہارے بہت سے ساتھی قربان ہو چکے ہیں۔اور اگر تم حق پر نہیں ہو تو تمھیں سوچنا چاہئے تھا کہ تم اپنی اور دوسرے لوگوں کی ہلاکت کے ذمہ دار بن رہے ہو۔

ابن زبیرؓ: اس وقت میرے تمام ساتھی مجھے چھوڑ گئے ہیں۔

حضرت اسماءؓ: ساتھیوں کی عدم رفاقت شریف اور دیندار انسانوں کے لیے کوئی وقعت نہیں رکھتی۔غور کرو کہ تمہیں اس دنیا میں کب تک رہنا ہے؟ حق کے لیے جان دے دینا، حق کو پس پشت ڈال کر جینے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

ابن زبیرؓ: مجھے اندیشہ ہے کہ بنی امیہ کے لوگ میری لاش کو مثلہ کریں گے مجھے سولی پر لٹکا دیں گے اور ہر طرح کی بے حرمتی کریں گے۔

حضرت اسماءؓ: بیٹا جب بکری ذبح ہو جائے تو کھال اتارنے سے اس کو کچھ تکلیف نہیں ہوا کرتی۔اچھا میدان جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ کر اپنا فریضہ ادا کرو۔

حضرت ابن زبیرؓ نے اپنی ماں کے سر کو بوسہ دیا اور کہا۔اے مادر محترم! میں اللہ کی راہ میں کمزور ثابت نہیں ہوں گا۔میرا مقصد صرف یہ تھا کہ آپ کو اطمینان دلا دوں کہ آپ کے بیٹے نے امر باطل پر جان نہیں دی۔

حضرت اسماءؓ: بیٹا! میں ہر حال میں صبر و شکر سے کام لوں گی۔اگر تم مجھ سے پہلے چلے گئے تو میں صبر کروں گی۔اگر کامیاب لوٹے تو تمہاری کامیابی پر شکر کروں گی۔ اچھا اب تم قربانی دو انجام خدا کے ہاتھ میں ہے۔

ابن زبیرؓ نے کہا میرے حق میں دعا کیجئے۔

حضرت اسماءؓ: اے اللہ میں اپنے بیٹے کو تیرے سپرد کرتی ہوں۔تو اسے

استقامت دے اور مجھے صبر وشکر عطا کر۔

دعا کے بعد بوڑھی ماں نے ہاتھ پھیلا دیے اور فرمایا بیٹا ذرا میرے پاس آ جاؤ تا کہ میں آخری مرتبہ تم سے مل لوں۔

ابن زبیر نے کہا ہماری یہ آخری ملاقات ہے اور آج میری زندگی کا آخری دن ہے۔ اور پھر سر جھکائے آگے بڑھے، دردمند ماں نے حوصلہ مند بیٹے کو گلے سے لگایا اور بوسہ دیا۔ فرمایا ''بیٹا اپنا فرض پورا کردو''۔ ابن زبیر اس وقت زرہ پہنے ہوئے تھے، حضرت اسماء کو لوہے کی کڑیاں سی محسوس ہوئیں تو انھوں نے فرمایا میرے بیٹے! یہ کیا ہے؟ اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کا تو یہ طریقہ نہیں ہوتا۔ اس پر ابن زبیرؓ کھڑے ہوئے زرہ اتار دی اور رجز پڑھتے ہوئے تیغ بکف دشمن کی طرف آئے۔ پھر اس ولولہ و جوش کے ساتھ حملہ آور ہوئے کہ میدان کانپ اٹھا۔ اگر چہ شامی فوجی بے شمار تھے تاہم حملہ کی تاب نہ لا کر ادھر ادھر بکھرے۔ ایک شخص نے پکار کر کہا ابن زبیر! پیچھے ہٹ کر حفاظت گاہ میں چلے آیئے۔ آپ نے گرج کر فرمایا ''میں اس قدر بزدل نہیں ہوں کہ اپنے بہادر ساتھیوں کی موت کے بعد خود اسی موت سے بھاگوں''

ابن زبیرؓ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ بپھرے ہوئے شیر کی طرح شامی فوجوں پر حملہ کرتے تھے، جس طرف آپ تلوار لے کر اٹھتے صفیں الٹ جاتیں۔ چونکہ آپ کے جسم پر زرہ نہیں تھی اس لیے خون رستے ہوئے بادل کی طرح ٹپکتا تھا۔ حجاج نے تمام شامی فوجوں کو حرکت دی اور منتخب بہادروں کو آگے بڑھایا لیکن پلہ حضرت زبیرؓ کے مٹھی بھر سپاہیوں کے ہاتھ رہا۔ یہ چند جانباز جس طرف رخ کرتے شامیوں کا ہجوم زیر وزبر ہو جاتا۔ اسی دوران خانہ کعبہ سے اذان کی آواز بلند ہوئی۔ ابن زبیرؓ نے تلوار نیام میں ڈال دی اور اپنی ایک صف حجاج کے مقابلے پر چھوڑ کر خود مقام ابراہیم پر نماز کے لیے جا

کھڑے ہوئے۔

ابن زبیرؓ جب نماز سے واپس لوٹے تو معلوم ہوا کہ آپ کے ساتھی بکھر چکے ہیں اور علمبردار قتل ہو چکا ہے۔ پھر بھی آپ تنہا دس ہزار کی فوج میں گھس کر تلوار چلانے لگے۔ ایک تیر آپ کے ماتھے پر آلگا، چہرہ اور داڑھی خون سے تر ہو گئے۔ اس وقت بھی آپ کی زبان پر یہ رجز جاری تھا۔

وَلَسْنَا عَلَى الْاَعْقَابِ قَدَمِیُ کلومنا

وَلکن عَلٰی اَقْدَامِنَا تقطر الدما

ترجمہ: ہم وہ نہیں کہ پیٹھ پھیرنے سے ہماری ایڑھیوں پر خون گرے۔ ہم وہ ہیں کہ سینہ سپر رہتے ہیں اور ہمارے پنجوں پر خون گرتا ہے۔

ابن زبیرؓ رجز پڑھتے جاتے تھے، تلوار چلاتے جاتے تھے اور آگے بڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ زمین پر گر کر شہید ہو گئے۔ حجاج نے حسب وعدہ ان کا سر کاٹ کر عبدالملک کے پاس بھیج دیا اور ان کی نعش شہر کے باہر ایک اونچی جگہ پر لٹکا دی۔

حضرت اسماءؓ کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے حجاج کو پیغام بھیجا کہ لاش کو سولی سے ہٹا دو۔ حجاج نے جواب دیا کہ میں اس نظارے کو قائم رکھنا چاہتا ہوں۔ حضرت اسماءؓ نے پھر کہا کہ مجھے تجہیز و تکفین کی اجازت دی جائے۔ مگر حجاج نے اس پر بھی انکار کر دیا۔ قریش آتے تھے اور اپنے نامور فرزند کی لاش سولی پر دیکھ کر چلے جاتے تھے۔ ایک دن حضرت اسماءؓ بھی اتفاقاً ادھر سے گزریں، ابن زبیرؓ کی لاش اب بھی سولی پر لٹکی کھڑی تھی۔ آپ نے بیٹے پر نظر ڈالی اور فرمایا ”کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ شہسوار اپنے گھوڑے سے اترے“۔ کسی شاعر نے حضرت اسماءؓ کے دلیرانہ الفاظ کا اس طرح ترجمہ کیا ہے۔

ہو چکی دیر کہ منبر پہ کھڑا ہے یہ خطیب   اپنے مرکب سے اترتا نہیں اب بھی یہ سوار

اصلاحی مجلس (ڈاکٹر فدا محمد)

ضبط ڈاکٹر شاکر

کلمہ طیبہ **لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ** کے دو جز ہیں، ایک توحید اور ایک رسالت۔ توحید اللہ تعالیٰ کے تعلق کا مطالبہ کرتی ہے اور رسالت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کا مطالبہ کرتی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی پہچان تصوف کا ایک مضمون ہے اسی طرح جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان بھی تصوف کا ایک مضمون ہے۔ آدمی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اور درجہ پہچاننا چاہئے۔ پوری طرح پہچاننا تو مشکل ہے لیکن پہچاننے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی پوری پہچان انسان کے بس میں ہی نہیں، لیکن کوشش اس کے بس میں ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان، حضور کی قدر اور حضور کا لحاظ ایمان کا دوسرا جز ہے۔

کسی آدمی کے ساتھ تعلق اور محبت کیسے پیدا ہوتے ہیں؟ جب آدمی اس کا تذکرہ کرے، اس کے کمالات کا تذکرہ کرے۔ اسی طرح کسی کے بہت زیادہ احسانات ہوں تو چاہے وہ کیسا کالا کلوٹا اور بھدی شکل والا کیوں نہ ہو، انسان کو اس کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے۔ تو احسانات کے تذکرے سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ تو اب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کو یاد کریں۔ جیسے کہ کہا گیا ہے کہ اگر آپؐ کو پیدا نہ کیا جاتا تو زمین و آسمان ہی پیدا نہ کیے جاتے۔ زمین و آسمان کی ہر مخلوق اور ہر ذرّے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے کہ آپؐ کی برکت سے اسے وجود بخشا گیا۔ پھر ہم کو انسان بنایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا کیا گیا۔ تو احسان کے مضمون کو آدمی دھیان میں لایا کرے۔

فضائل درود شریف میں درود شریف پڑھنے والوں کے کتنے واقعات لکھے ہوئے ہیں کہ ان کی پریشانیوں اور تکالیف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے لیے دعا فرماتے رہے، اور توجہ فرماتے رہے۔ کتنے واقعات حضرت شیخؒ نے لکھے ہیں کہ ایک آدمی گرا اور اسے ہاتھ پر چوٹ لگی، درد کی وجہ سے اسے رات کو نیند بھی نہیں آ رہی تھی ۔ جب آخر شب میں ذرا آنکھ لگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور آپؐ نے فرمایا کہ تیرے کثرت درود نے مجھے گھبرا دیا۔ (گھبرا دیا شاید اردو کا محاورہ نہیں ہے، لیکن اس کا ترجمہ ایسے ہی ہوسکتا تھا)۔ جب آنکھ کھلی تو درد غائب تھا۔ تو امت کے جو لوگ کثرت سے درود شریف پڑھنے والے ہوتے ہیں ان کی تکلیف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف محسوس ہوتی ہے، تو یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات ہیں۔ زندگی میں تو احسانات تھے ہی لیکن اب جبکہ آپؐ قبر شریف میں آرام فرما ہیں تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اور دھیان امت پر بلکہ امت کے ایک ایک فرد پر لگا ہوا ہے۔ تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات، سبحان اللہ کہ انسان کے لیے جتنی بھی صفاتِ کمال ہوسکتی تھیں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ میں ودیعت فرما دیں۔ ہمدردی ہے تو وہ کمال کے ساتھ، خیر خواہی ہے تو وہ کمال کے ساتھ، شجاعت و بہادری ہے تو وہ کمال کے ساتھ، وعدے کو پورا کرنا ہے تو وہ کمال کے ساتھ۔ ایک دفعہ کوئی آدمی آیا اور اس نے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پہننے کے کپڑے بھی اس کو دے دیے۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی،

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (بنی اسرائیل۔ ۲۹)

ترجمہ: اور نہ رکھا ہنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ اور نہ کھول دے اس کو بالکل کھول دینا پھر تو بیٹھ رہے الزام کھایا ہوا ہارا ہوا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اس حد تک بڑھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو روکا۔ اور بہادری، سبحان اللہ کہ حنین کے میدان میں کوئی جم ہی نہ سکا، بارہ ہزار آدمی نہ جم سکے۔ اگر کوئی جمار ہا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر گیارہ آدمی جمے، ایسی شجاعت!۔ سید سلیمان ندویؒ سیرت البنی میں لکھتے ہیں کہ دنیاوی فرمانروا اور بادشاہ تو میدان کے آخری سرے پر کھڑے ہو کر جنگ کا تماشہ کرتے ہیں کہ جنگ تو دوسرے لڑیں اور جنگ کے فوائد وہ لیں اور اگر نقصان ہو تو لوگوں کو لڑتا ہوا چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جمے جب کوئی نہیں جم رہا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر چند ساتھی جمے۔ تو شخصیت کے لیے جتنی صفاتِ کمال ہو سکتی ہیں وہ سب آپؐ کی ذات میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ ہم ایک دفعہ گوجرانوالہ گئے، وہاں تبلیغی مرکز میں ایک پہلوان بھی مقیم ہوتے تھے۔ جب بھی وہ بیان کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کشتی کے واقعات سناتے۔ کیونکہ وہ خود پہلوان تھے اس لیے انھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلوانی والی صفت پسند تھی۔ واقعی رکانہ پہلوان کے ساتھ آپؐ نے کشتی لڑی اور اسے بچھاڑا۔ رکانہ پہلوان کے پوتے کے بارے میں حضرت مولانا طارق جمیل صاحب ایک بیان میں سنا رہے تھے کہ وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور اس نے اپنی دونوں رانوں کو دبایا تو گھوڑے کی پسلیاں ٹوٹ گئیں اور پیٹ پھٹ گیا۔ جب پوتا اتنا بڑا پہلوان تھا تو دادا کتنا بڑا پہلوان ہوگا!۔ غرض رکانہ کا خیال تھا کہ میں اس شخص کے کمال کو مانوں گا جو مجھ سے بڑا پہلوان ہوگا۔ تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی لڑی، آپؐ نے اس کو گرا دیا۔ اس نے کہا کہ مجھے سمجھ ہی نہیں آئی کہ آپؐ نے مجھے کیسے گرایا۔ دوبارہ پھر اس کی درخواست پر

آپؐ نے کشتی لڑی اور اسے گرا دیا۔ اس کو حیرت ہوئی اور اندازہ ہوا کہ واقعی یہ اللہ کی مدد ہے اور یہ کہتا ہوا چل دیا کی آپؐ کی تو شان ہی نرالی ہے۔

جن اہل محبت نے سیرت کی کتابیں لکھی ہیں ان کو پڑھنے سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ ایک تو ان لوگوں نے لکھی ہیں "پیغمبر انقلاب"، "حضور صلی اللہ علیہ وسلم بطور سپہ سالار" یا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی" وغیرہ اور ایک اہل محبت نے لکھی ہیں اور عجیب و غریب تعلق میں ڈوبی ہوئی کتابیں ہیں۔ عربی کی "زاد المعاد" اور "خصائص کبریٰ" کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔ اُس دن حاجی عبدالمنان صاحب مکہ مکرمہ میں کہہ رہے تھے کہ ہم نے بڑی کوشش کی کہ حاجی محمد امین صاحب کی سوانح عمری لکھی جائے۔ میں نے ان سے کہا کہ سوانح تو لکھی گئی ہے اور کتاب مجھے بھی بھیجی گئی ہے، لیکن ان کی زندگی میں جو سوز و گداز، جرأت و شجاعت اور جان دینے کا جذبہ تھا وہ کتاب میں نہیں آیا۔ اصل میں سوانح ان کے کسی خاص مرید اور خاص تعلق والے آدمی نے نہیں لکھی اس لیے اس میں وہ رنگ نہیں آسکا۔ بعد کے لوگوں نے معلومات کو جمع کر کے بیان کر دیا ہے۔ لہٰذا کچھ لوگ تو صرف معلومات لیے ہوئے ہوتے ہیں اور کچھ معلومات کے ساتھ تأثرات بھی لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور تأثرات لیے ہوئے کی بات میں تاثیر ہوتی ہے جبکہ معلومات والوں کی بات میں صرف معلومات ہی ہوتی ہیں۔

تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق سیرت کی کتابیں پڑھنے، آپؐ کے کمالات اور احسانات کا تذکرہ کرنے سے پیدا ہوگا۔ "العطور المجموعہ" صوفی اقبال صاحب نے لکھی ہے، "نشر الطیب" حضرت تھانویؒ کی ہے اور "شمائل ترمذی" حضرت زکریاؒ کی، کا آدمی مطالعہ کرتا رہے۔ شمائل ترمذی عجیب چیز ہے آدمی کے مزاج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے اثرات آتے ہیں۔

ایک اور چیز ہے کثرت درود شریف، جس کی کم سے کم حد تین سو دفعہ روزانہ پڑھنا ہے۔اس سے اللہ تعالیٰ باطن کو صاف فرماتا ہے، زندگی سہولت والی بناتا ہے، رزق میں برکت آتی ہے، اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے، اور ایسے آدمی کے معاملات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاص دلچسپی لیتے ہیں۔ساتھ ہی آدمی اتباعِ سنت کی کوشش کرے۔حضرت مولانا (اشرف سلیمانیؒ) نے سنایا تھا کہ وہ اور قریشی صاحب (جو پاکستان کی تبلیغی جماعت کے امیر تھے) اور ایک تیسرا آدمی حاجی امین صاحب کی زیارت اور ملاقات کے لیے گئے۔اس دور میں تبلیغ والے حضرات زیارت، استفادہ اور خدمت کی نیت سے، اور دعا لینے کے لیے علماء اور مشائخ کے پاس حاضر ہوا کرتے تھے۔یہاں پر ایک کرنل صاحب ہمارے تبلیغ والے دوستوں میں سے ہیں۔وہ ایک اور فوجی ساتھی کے ساتھ جماعت میں گئے ہوئے تھے۔واپسی پر حج کے لیے آئے اور ان کی چھٹی ختم ہوگئی۔انھوں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ چلو مولانا زکریا صاحب سے دعا کرواتے ہیں۔دوسرے آدمی نے کہا کہ ہم تو اتنے بڑے کام میں لگے ہوئے ہیں، اس کام کو کسی کی ضرورت نہیں ہے۔تو وہ تو نہیں گئے اور ان کرنل صاحب نے جا کر دعا کروالی۔واپس آئے تو دونوں پر کیس ہوا، یہ تو معاف ہوگئے اور دوسرا آدمی نوکری سے نکال دیا گیا۔تو میں نے سوچا کہ دو طرح کی سوچ ہے، ایک تو یہ کہ یہ کام بڑا ہے اور دوسری یہ کہ میں بڑا ہوں۔تو جناب یہ کام تو یقیناً بڑا ہے لیکن ہم بڑے نہیں ہیں۔دعا کے لیے کسی کے پاس جانا ایک طرح کی عاجزی اور تواضع ہوتی ہے۔ہمارے حضرت مولانا صاحب فرماتے تھے کہ اسباب کو اختیار کرنا ایک طرح کی تواضع ہے اور اسباب کا ترک کرنا ایک طرح کا دعویٰ اور زعم ہے۔اس لیے معمولی سے معمولی اسباب کو اختیار فرماتے تھے۔ہاں تو بات ہو رہی تھی کہ حضرت مولانا اور دوسرے ساتھی حاجی امین صاحب کی ملاقات کے لیے گئے۔تو چار نیتوں سے

جایا کرتے تھے زیارت کا ثواب، دعا کا فائدہ، اگر کسی خدمت کا موقع مل جائے تو وہ انجام دینا اور کوئی دینی بات سننے کو مل جائے اور سمجھ میں آجائے۔ مجھے یاد ہے کہ ہم ہاسٹل نمبر ۱ میں رہتے تھے، یہاں سوات کے دو طالبعلم تھے جن کے والد فاضل دیوبند تھے، اور مدرس اور بڑے عالم تھے۔ یہ لڑکے تبلیغ والوں کے قابو میں نہیں آتے تھے کہ خود گھر سے دیندار، ڈاڑھی پوری، نماز کے پابند اور تبلیغ والوں سے زیادہ دین کی باتیں اُن کو آتی تھیں، اس لیے تبلیغ والوں کے ساتھ اُن کو مزہ نہیں آتا تھا۔ ایک دفعہ ان کے والد صاحب آئے تو میرے دل میں خیال آیا کہ ان کی زیارت کرنی چاہیے، کہ فاضل دیوبند ہیں اور حضرت مدنیؒ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ میں گیا اور مصافحہ کر کے بیٹھا۔ وہ ایک مسئلہ بیان کر رہے تھے کہ بھاری وضو اس کو کہتے ہیں کہ آدمی پیشاب کو روکنے کے لیے نماز میں زور لگا رہا ہو۔ یہ نہیں کہ پیشاب کا خیال آیا اور وضو بھاری ہو گیا۔ شیطان کا ایک یہ بھی حربہ ہے کہ ادھر جماعت کھڑی ہو رہی ہے اور ادھر ہلکا سا پشاب کا تقاضا محسوس ہوا اور آدمی دوبارہ وضو کرنے لگا۔ اس دن یہ مسئلہ ایسی طرح سمجھ آیا کہ دس سال ''منیہ'' اور ''قدوری'' پڑھی ہوتی تو بھی سمجھ میں نہ آیا ہوتا۔ بہر حال حضرت مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ ہم حاجی امین صاحب سے ملنے گئے تو وہ بڑے خوش ہوئے۔ جب واپسی ہوئی تو انھوں نے قریشی صاحب کو خط بھیجا کہ آپ کے ساتھ جو نوجوان ملنے آئے تھے بڑے صالح تھے، لیکن انھوں نے خط بنایا ہوا تھا۔ حضرت مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ انھوں نے سر پر موٹی مشین پھرائی ہوئی تھی لیکن حجام نے آخر میں باریک مشین پھیر کر خط کی طرح بنا دیا تھا۔ حاجی صاحب نے لکھا کہ انھوں نے استرے والا خط بنایا ہوا تھا۔ قریشی صاحب نے حضرت مولانا صاحب کو بتایا۔ اس دن کے بعد سے حضرت مولانا صاحب ہمیشہ سر پر استرا پھروا کر خوب اچھی طرح سے تمام بال صاف کروا دیتے تھے، کہ خط بننے کی گنجائش

ہی باقی نہ رہے۔

تو آدمی اتباع سنت کی کوشش کرتا رہے۔میں نے وہ واقعہ تو آپ کو کئی بار سنایا ہے کہ حضرت مولانا صاحبؒ کی کتاب ''سلوک سلیمانی'' کی تعارفی تقریب ہورہی تھی۔ ایک عالم نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ کسی اللہ کے نیک بندے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ کتاب قبول ہوگئی ہے اور فلاں صفحے کی وجہ سے قبول ہوئی ہے۔اس صفحے کو جو کھول کر دیکھا تو اس پر یہ سادہ سا مضمون لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب چیز سنت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع کرے گا وہ بڑی کامیابیوں سے ہمکنار ہوگا۔تو آدمی کو یہ یقین رکھنا چاہئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ سنت سے دونوں جہانوں کی کامیابی ملے گی۔ شیطان آدمی کو دھوکے میں ڈالتا ہے۔

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَوَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَغْفِرَۃً مِّنْہُ وَ فَضْلاً وَاللّٰہُ وَاسِع عَلِیْم . (البقرہ:۲۶۸)

ترجمہ: شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگدستی کا اور حکم کرتا ہے بے حیائی کا اور اللہ وعدہ دیتا ہے تم کو اپنی بخشش اور فضل کا، اور اللہ بہت کشایش والا ہے سب کچھ جانتا ہے۔

شیطان تنگدستی کا خوف دلاتا ہے کہ فلاں نیک کام کروگے تو اس سے یہ نقصان ہوجائے گا۔اور بے حیائی اور بری باتوں کی تعلیم دیتا ہے کہ فلاں گناہ کروگے تو یہ فائدہ ہوگا ۔سنت پر عمل کروگے تو لوگ اچھا نہیں جانیں گے۔اصل میں یہ لوگوں کا مسئلہ نہیں ہوتا بلکہ کسی عمل کو کر کے آدمی کے اپنے دل میں احساس کہتری ہو تو اس کا اثر لوگوں پر بھی آتا ہے ۔اور اگر احساس کہتری نہ ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کو نقصان ہو، بلکہ سنت میں تو دنیا کا اور آخرت دونوں کا فائدہ ہے۔اگر اللہ تعالیٰ ایسے ہی ہر چیز کو کھول کر واضح فرمادیتے تو دنیا

دار لوگ اعمال صالحہ میں دینداروں سے زیادہ کوشش کرتے، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اس فائدے کو پردہ غیب میں رکھا ہے۔ انسان اپنے دل میں یہ مضبوطی سے رکھے کہ سنت پر عمل کرنے سے دنیا اور آخرت میں ضرور بالضرور فائدہ ہوتا ہے۔ شیطان تو مکڑی کا جالا تنتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ یہ لوہے کی سلاخیں ہیں تم انھیں پار نہیں کر سکتے۔ لیکن جوں ہی آدمی پھونک مارتا ہے تو سب غائب ہوتا ہے اور آدمی پار ہو جاتا ہے۔

ہمارے یہاں ایک کانفرنس ہو رہی تھی جس میں دواؤں اور میڈیکل کے آلات کی کمپنیوں نے سٹال لگائے ہوئے تھے۔ جیسا کہ آجکل خیال ہے کہ خوبصورت عورتوں کو سیلز گرل رکھا جائے تو کاروبار زیادہ چلے گا، ہر ایک نے یہ کوشش کی ہوئی تھی کہ ڈاکٹروں کا ماحول ہے اس لیے خوبصورت سے خوبصورت لڑکی کھڑی کریں۔ لیکن ایک کمپنی نے اپنے سیلز مین کے طور پر پوری داڑھی والے باشرع آدمی کھڑا کیا ہوا تھا، وہ بالکل کسی سے پیچھے نہیں رہا اور اس کا سٹال پورا آباد رہا۔ ہم نے کہا کہ اپنے اپنے یقین کی بات ہے ایک نے معصیت سے روزی ملنے کا یقین کیا ہوا تھا اور دوسرے کو تقویٰ سے روزی ملنے کا یقین تھا۔ تاثیر یقین کی ہے، جہاں یقین جما لو اس کے اثرات آئیں گے۔ قسمت کی روزی دونوں کو مل رہی ہے لیکن ایک کو معصیت کے راستے سے اور دوسرے کو تقویٰ کے راستے سے۔

آدمی کو چاہئے کہ دل میں یقین کو درست رکھے۔ ہمارے ایک مجذوب دوست تھے، تبلیغی مرکز میں رہتے تھے۔ مہینے دو مہینے میں ایک بار جوش میں آتے تھے، بیان تقریر وغیرہ تو نہیں کرتے تھے بس پانچ منٹ اٹھ کر بات کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ بہت غیرت والا ہے، وہ کبھی پیچھے نہیں چھوڑے گا۔ اگر آپ اس کی ذات پر، اس کے نام پر اور اس کے دین پر غیرت کریں گے تو وہ کبھی پیچھے نہیں چھوڑے گا بلکہ غیب سے کام درست

ہوں گے۔ کچھ آزمائش تو ضرور ہوتی ہے کہ آیا یہ آدمی اپنی نیکی پر جمتا ہے یا نہیں۔ امتحان تو ہوگا، اگر بغیر امتحان کے دے دیا جائے تو کچھ نہ ہوا۔ لیکن جب آدمی جمتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے۔ جمنے کی آزمائش نہ ہو تو مدد نہیں آیا کرتی۔ اس وقت آدمی کو جھڑ جھڑایا جاتا ہے یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی جھڑ جھڑایا گیا۔

وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا. (الاحزاب۔۱۱)

ترجمہ: اور جھڑ جھڑائے گئے زور کا جھڑ جھڑانا۔

لہٰذا آزمائش تو ہوتی ہے اور جب آدمی آزمائش میں جمتا ہے تو برکت کا دروازہ کھلتا ہے۔ تو آدمی سنت پر جمے، جس طرح سیاسی لوگ کہا کرتے ہیں کہ سٹینڈ stand لیں۔ تو آدمی کا یہ ارادہ ہو کہ کوئی کرے یا نہ کرے میں نے کرنا ہے، چاہے کرنے سے ظاہری دنیاوی ترقی ہوتی ہے تنزل ہوتا ہے۔ جب ایسا جمے گا تو برکت کا دروازہ کھلے گا۔

ایمان کا دوسرا جز محمد الرّسول اللہ ہے، جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو پہچاننا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور تعلق کو دل میں پیدا کرنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا اور کمالات کا تذکرہ کر کے، کثرت درود شریف کے ساتھ اور اتباع سنت کے ساتھ۔ گویا چار راستے ہو گئے۔ اور جب آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت میں آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

برکت قرآن

ایک روز بندہ اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ برخوردار ظفر اللہ جان ملنے آیا۔ ظفر

اللہ جان بندہ کے شعبے میں پاک سٹڈیز کا لیکچرر ہے اور دینی ذوق وشوق رکھنے والا نوجوان ہے، ذرا پریشان نظر آ رہا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ ''گھر والی کا الٹراساؤنڈ کروایا ہے، ڈاکٹر صاحبان کہتے ہیں کہ بچے کی ریڑھ کی ہڈی میں کمر کے قریب نقص ہے spinabifida اور اگر ایسا بچہ پیدا ہو جائے تو وہ ٹانگوں سے معذور ہوتا ہے اور والدین نیز معاشرے کے لیے بوجھ ہوتا ہے لہذا ہمارا مشورہ ہے کہ آپ اسقاط حمل (abortion) کروالیں۔ ایک دوسری لیڈی ڈاکٹر سے مشورہ کیا تو اس نے بھی الٹراساؤنڈ کی بنیاد پر یہی کہا، اور مزید کہا کہ اگر اسقاط کا کوئی گناہ ہے تو اس کی ذمہ داری بروز قیامت مجھ پر ڈال دیں۔ ایک تیسرے ڈاکٹر کی بھی یہی رائے ہے۔ تو اب میں کیا کروں؟'' بندہ نے اس سے عرض کیا کہ اس سلسلے میں صرف ظنی رائے کافی نہیں ہے آپ کو کسی مفتی سے بھی مشورہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ انھیں مفتی غلام الرحمٰن صاحب (جامعہ عثمانیہ) کے پاس بھیجا۔ مفتی صاحب نے چار ماہ گذر جانے کی بناء پر اسقاط کی اجازت نہیں دی۔ وہ پھر بندہ سے ملنے آیا اور فتویٰ کا تذکرہ کیا۔ آدمی پریشان تھا۔ فتویٰ ایک رخ کا اور ڈاکٹری مشورہ دوسرے رخ کا۔

خیر بندہ نے اس سے عرض کیا کہ ہمارے حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی صاحب پشاوری ایسے مواقع کے لیے ایک وظیفہ وَ نَفْسٍ وَّمَا سَوّٰھَا دیا کرتے تھے، آپ کی اہلیہ یہ وظیفہ پڑھتی رہیں، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے گا۔ کچھ عرصہ بعد آدمی خوش خوش ملنے آیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے صحیح سالم اور صحت مند بیٹا عطا فرمایا ہے۔ بندہ کو بھی خوشی ہوئی اور تسلی ہوئی کہ الٹراساؤنڈ کی معلومات وحی کی طرح سو فیصد درست نہیں ہوتیں۔ ان میں بھی غلطی کا احتمال ہوتا ہے۔

(ڈاکٹر فدا محمد)